© rasailojaraid.com

دور جدید کے بعد کی دہشت گردی

Walter Laqueur

سیاسی تبدیلی کے لیے برسراقتدار طبقے کو کمزور یا اقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے تشدد کا استعمال کیا جائے یا اس کی دھمکی کے ذریعے معاشرے میں خوف و ہراس پھیلانے کو دہشت گردی کا نام دیا گیا ہے۔ بعض دفعہ اس کی مشابہت گوریلا جنگ سے ملتی ہے اور اسے دو مملکتوں کے درمیان جنگ کے متبادل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تاریخ میں دہشت گردی کی کئی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور موجودہ معاشرے میں دہشت گردی کی ایک نہیں کئی شکلیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۹۰۰ء کے بعد سے دہشت گردوں کے محرکات، حکمت عملی اور ہتھیاروں میں ایک حد تک تبدیلی ہوئی ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں جرمنی، اٹلی اور جاپان کے انتشار پسند (انارکسٹ) اور ریڈ آرمی سمیت ان کے جانشین بائیں بازو کے دہشت گرد ختم ہو چکے اور ان کی جگہ دائیں بازو کے انتہا پسندوں نے لے لی۔ اس وقت دہشت گردی کی روح رواں نسلی تحریکیں ہیں اور ان میں دہشت گرد، نظریاتی مرکین کے مقابلے میں زیادہ استقامت کے حامل ہیں۔ کیونکہ انہیں عوام کی کہیں زیادہ پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔

حالیہ دہائیوں میں رونما ہونے والی بڑی تبدیلی یہ ہے کہ جنگجوؤں کی حکمت عملی محض دہشت گردی تک محدود نہیں رہی۔ کئی شاخوں میں بٹے اخوان المسلمون، فلسطینی تنظیم حماس، آئرش ریپبلک آرمی، ترکی اور عراق میں کرد انتہا پسند، سری لنکا کے تامل ٹائیگر، سپین میں باسک ہوم لینڈ اور لبرٹی موومنٹ (ETA) اور اسی صدی کے دوران ابھرنے والے کئی دوسرے گروپ ہیں، جن کی دہشت گردی کے آغاز کے ساتھ ہی سیاسی شعبے بھی قائم ہوئے ہیں۔ سیاسی شعبہ سماجی، تعلیمی اور تجارتی خدمات انجام دیتا ہے اور انتخابات میں حصہ لیتا ہے۔ جبکہ "فوجی شعبہ" گھات لگاتا اور قتل کی کارروائیاں کرتا ہے۔ کام کی اس تقسیم کا فائدہ یہ ہے کہ جب دہشت گرد کوئی گھناؤنا کام انجام دیتے ہیں، تو سیاسی قیادت اس سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے۔ دہشت گردوں پر عدم کنٹرول حقیقی بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مسلح شعبہ آزاد ہونے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ گنوں اور بموں سے لیس مرد اور عورتیں اکثر تحریکوں کے پیش نظر وسیع تر مقاصد کو اپنی نظروں

Foreign Affairs, New York. N.Y.(جلد ۷۵ شمارہ ۵ ستمبر - اکتوبر ۱۹۹۶ء)

واٹر لیکیور سنٹر فار اسٹریٹیجک اینڈ انٹرنیشنل ریسرچ کونسل کے چیئرمین اور "دہشت گردی اور گوریلا" نامی کتاب کے مصنف ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے او جھل کر بیٹھتی ہیں اور وہ تنظیم کے لیے بجائے فائدے کے نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔

دہشت گردوں کے امکانات بھی تبدیل ہوئے ہیں۔ اب ان کا زور ہوائی جہازوں کے اغوا سے زیادہ اندھا دھند قتل پر ہے۔ سابق سوویت یونین، لاطینی امریکہ اور دنیا کے دوسرے حصوں میں سیاسی محرکات پر مبنی دہشت گردی ہے اور قومی اور بین الاقوامی جرائم گروپوں کی کارروائیوں کے درمیان فرق کو جاننا باہر سے دیکھنے والوں کے لیے اکثر ناممکن ہے۔ تاہم ان دونوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ مافیا حکومت کا تختہ الٹنے یا معاشرے کو قطعی طور پر کمزور نہیں کرنا چاہتا، بلکہ ان کے مفادات اس کے برعکس ایک خوشحال معیشت سے وابستہ ہیں۔

خودکشی پر آمادہ دہشت گردی کے واقعات بھی نئی اختراع نہیں ہیں۔ تقریباً تمام ہی ادوار اور ثقافتی روایات میں ان کا وجود ملتا ہے۔ ان میں ۱۹۷۰ء کی دہائی میں بائیں بازو کے جرمنی کے بادر مائن ہوف سے لے کر دائیں بازو کے انتہا پسند شامل ہیں۔ جب جاپانی فوج نے جنگ عظیم دوم کے اختتام پر جان کی قربانی کے لیے پائلٹوں کو للکارا، تو ہزاروں رضاکاروں نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ یروشلم کی بسوں میں دھماکے کرنے والے نوجوان جنت کے انعام کی آرزو میں اسی پرانے سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

ریاستی پشت پناہی کی حامل دہشت گردی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ دہشت گرد اب سوویت یونین اور اس کے سابق اتحادیوں پر انحصار نہیں کرتے، بلکہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے بعض ممالک انہیں امداد فراہم کرتے ہیں۔ تاہم تہران اور تریپولی یہ دلیل دینے میں کچھ زیادہ پرجوش نہیں لگتے کہ انہیں سرحدوں سے باہر دہشت گردی کے اختیار کا خدائی حق حاصل ہے۔ غالباً ۱۹۶۸ء میں لیبیا کے خلاف امریکہ کا ہوائی حملہ تھا اور لیبیا اور ایران کے خلاف متعدد بائیکاٹوں کا اثر ہوا ہے کہ کوئی حکومت بھی آج اپنے زبردستی لڑائی بھڑائی کا بلند بانگ اعلان کرنے کو تیار نہیں۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دہشت گردی کے سیاسی اثرات اکثر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور اگر کبھی اس کا اثر ہوا بھی ہے، تو یہ کسی کے مطلوبہ مقاصد کے بالکل برعکس نکلا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں راجیو گاندھی کے قتل سے کانگریس کا زوال تیز ہوا اور نہ ہی رکا۔ حماس اور حزب اللہ کی دہشت گردی میں اضافے نے بلاشبہ مئی میں اسرائیلی انتخابات کو متاثر کیا اور امن کے عمل، جس میں یاسر عرفات نے اپنا مستقبل داؤ پر لگا دیا، کو بحال کرنے کا فوری مقصد حاصل کر لیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سخت گیر موقف کی حامی جماعت لیکوڈ کی حکومت ان گروپوں کے مفاد میں ہے؟ دوسری طرف وزیراعظم اسحاق رابن کے قتل کی کارروائی سے عین ممکن تھا کہ ان کے نمبر دو نرم مزاج شمعون پیریز کامیاب ہو جاتے، اگر مسلمان دہشت گردوں نے اسرائیل کی سلامتی کو ایک موضوع نہ بنایا ہوتا۔ اسی طرح کی مثالیں سری لنکا میں تامل ٹائیگرز اور سپین میں باسک انتہا پسندوں کی ہیں۔ بالخصوص الجزائر میں جہاں دہشت گردی کے واقعات میں سب سے زیادہ جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ مسلمان انتہا پسندوں کو ۹۳-۱۹۹۲ء کے وقت سے، جبکہ بہت سے ماہرین غیر مقبول فوجی حکومت کے خاتمے کی پیشین گوئی کر رہے تھے، اپنے مقصد میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکی۔

بعض حلقے دہشت گردی کے موثر ہونے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ کچھ دہشت گرد راہنما اپنے ملکوں کے صدر یا وزیراعظم منتخب ہوگئے ہیں۔ لیکن ان رہنماؤں نے پہلے دہشت گردی سے توبہ کی اور وہ سیاسی عمل کا حصہ بن گئے۔ رواجی دانشمندی کا یہ کہنا کہ دہشت گردی جنگ کے شعلے بھڑکا سکتی ہے یا کم از کم امن کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے، ایک حد تک درست ہے۔ لیکن صرف انہی خطوں میں، جہاں پہلے سے آتشگیر مواد کافی مقدار میں موجود ہے۔ جیسے کہ ۱۹۱۴ء میں سراجیو تھا یا آج کل مشرق وسطیٰ اور دوسری جگہوں میں ہے۔

ذرائع ابلاغ، عوام اور بعض سیاستدان دہشت گردی کے پھیلنے پھولنے کے امکانات پر مبالغہ آرائی سے کام لیتے رہے ہیں۔ لیکن دہشت گردی کی تباہ کاری کی صلاحیت میں اضافے سے یہ امکانات اب بڑھے ہیں۔ اس کی وجہ ایسے گروپوں اور افراد کی تعداد اور ہتھیاروں میں اضافہ ہے، جو دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں یا اسے اختیار کرسکتے ہیں۔ گذشتہ چند دہائیوں میں کئی اقسام کی درجنوں تند خو تحریکیں منظر عام پر آئی ہیں، جو قوم پرستی، مذہبی بنیاد پرستی، فاشزم اور زمینی بادشاہت کی حامی ہیں۔ ان میں ہندوستان میں ہندو قوم پرست ہیں۔ یورپ میں نیو فاشسٹ اور ٹیکساس میں واکو کے داؤدی فرقے کے گروپ شامل ہیں۔ اس سے پہلے کے فاشسٹ فوجی جارحیت کے قائل تھے اور اس مقصد کے لیے وہ ایک بڑی جنگی مشینری تیار کرتے تھے۔ موجودہ دور میں اتنی بڑی فوجی قوت تیار کرنا بڑی طاقتوں کے بس کی بات بھی نہیں۔ اب ایسے کیٹلاگ دستیاب ہیں، جن کے ذریعے روایتی یا غیر روایتی قسم کا جدید اسلحہ بذریعہ ڈاک آرڈر سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ایٹمی اسلحے کے علاوہ تباہ کن ہتھیاروں میں جراثیمی اور کیمیاوی ہتھیار شامل ہیں، جو اعصابی نظام، جلد اور خون پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ حکومتیں ایک صدی سے کیمیاوی ہتھیار تیار کر رہی ہیں۔ جبکہ ایٹمی اور جراثیمی ہتھیاروں کی تیاری کئی دہائیوں سے جاری ہے۔ ان ہتھیاروں کا پھیلاؤ اور ان تک رسائی پہلے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ اس سے پہلے میزائل صرف مملکتوں کے درمیان جنگ میں استعمال ہوتے تھے، اب یہ افغانستان اور یمن کی خانہ جنگی میں بھی استعمال کیے گئے۔ گویا ان ہتھیاروں تک دہشت گردوں کی دسترس میں مزید پیش رفت ہوئی ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی تک مبصرین کو یہ خدشہ رہا کہ ایٹمی مواد کہیں دہشت گردوں کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اپریل ۱۹۹۶ء میں امریکی وزارت دفاع کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بیشتر دہشت گرد گروپوں کے پاس مالی یا تکنیکی وسائل اتنے نہیں ہیں کہ وہ ایٹمی اسلحہ تیار کرسکیں۔ لیکن وہ ریڈیائی اور کچھ جراثیمی اور کیمیاوی آلات تیار کرسکتے ہیں۔

بعض گروپوں کو ریاستی پشت پناہی حاصل ہے اور وہ مذکورہ تینوں اقسام کے آلات اپنی متعلقہ حکومتوں سے لے سکتے ہیں۔ دہشت گرد گروپوں نے اپنے طور پر بھی زہریلی گیسوں کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ جاپان کی دہشت گرد تنظیم اوم شنریکو نے مارچ ۱۹۹۵ء میں ٹوکیو کے زیر زمین اسٹیشن میں اعصابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیس کا دھماکہ کیا، جس سے ۱۰ افراد ہلاک اور ۵ ہزار زخمی ہوئے۔ جراثیمی مواد کیمیاوی بم کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ یہ مواد لاکھوں انسانوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔ جبکہ کیمیاوی مواد سے صرف ہزاروں ہلاک ہوتے ہیں۔

تکنیکی مشکلات کے باعث دہشت گردوں کے لئے بہت مشکل ہے کہ وہ کیمیاوی ہتھیاروں کے مقابلے میں ایٹمی ہتھیار آسانی سے حاصل کر سکیں۔ جبکہ جراثیمی ہتھیاروں کے استعمال کی گنجائش سب سے کم ہے۔ لیکن دہشت گردوں کے ماہرین تکنیکی مشکلات پر قابو پا کر ان ہتھیاروں کو اپنے اختیار میں لا سکتے ہیں۔

چونکہ دہشت گردوں کے لیے اپنی جان پر کھیل کر کسی کارروائی سے، ہیرو بننے کا پہلو بھی ہوتا ہے، جو کہ وسیع پیمانے پر زہر آلودگی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے عیاں ہے کہ وہ اپنی پبلسٹی کے لیے روایتی ہتھیاروں تک ہی اپنے کو محدود رکھیں گے اور وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے گنوں اور روایتی بموں سے ہی کام لیں گے۔

دہشت گردی کا فیصلہ کبھی معقولیت پر مبنی نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا، تو کوئی بھی اس کا ارتکاب نہ کرتا۔ اس سے دہشت گرد شاید ہی کبھی اپنا مقصد حاصل کر پاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سالہا سال کی مسلح جدوجہد اور بہت سے جنگجو ساتھیوں کے نقصان کے بعد بھی دہشت گرد اپنے مقصد کے حصول میں پیش رفت نہ دیکھ پائیں تو؟ مایوسی انہیں یا تو مسلح جدوجہد ترک کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے یا خودکشی پر۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آخری مایوسانہ اقدام کے طور پر اپنے نفرت انگیز دشمن کے خلاف وہ ہتھیار استعمال کرنے پر اتر آئیں، جو اس سے پہلے کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔

دہشت گرد گروپوں میں بالعموم ایسے مذہبی جنونی عناصر ہوتے ہیں، جن کا اپنے عقیدے پر اندھا ایمان انہیں انسانی جان لینے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ یہ عنصر انقلابی روس سے پہلے کے دہشت گردوں اور ۱۹۳۰ء کی دھائی میں آئرن گارڈ کے رومانیائی فاشسٹوں میں تھا اور حال کے تامل ٹائیگروں میں پایا جاتا ہے۔ جنونی مسلمان خدا کے دشمنوں کے قتل کو ایک مذہبی حکم سمجھتے ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ان کے ملکوں میں لادین عناصر اور اسرائیل کی ریاست کو بالآخر نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہی اللہ کی منشا ہے۔ اوم شنریکو کا نظریہ ہے کہ قتل، اس کا نشانہ بننے والے اور قاتل دونوں کے لیے باعث نجات ہے۔ گذشتہ دھائی کے دوران فرقہ وارانہ جنونیت نے سر اٹھایا ہے اور عمومی طور پر اس میں گروپ جتنا چھوٹا ہو، وہ اتنا ہی خطرناک ہوتا ہے۔

انسانیت جبکہ عیسائی دور کے دوسرے ہزار سال کے اختتام کو پہنچنے والی ہے، جدلیاتی تحریکیں اپنے عروج پر ہیں۔ دنیا کے قریب الوقوع خاتمے کا نظریہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنی کہ تاریخ۔ تاہم نامعلوم وجوہ کی بنا پر دنیا کے خاتمے کی تبلیغ کرنے والے فرقے اور تحریکیں، جیسے جیسے صدی اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے، بالخصوص ہزار سال کے خاتمے پر زور پکڑ رہی ہیں۔ قیامت کا پرچار کرنے والے اکثر مسلح تشدد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکالت نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے بعض ایک ایسی نشاۃ ثانیہ کا اعلان کرتے ہیں، جس میں ایک نئی قسم کے مرد اور عورتیں ہوں گی۔ تاہم بعض دیگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس قدر جلد انتشار پسندوں کی سلطنت قائم ہوگی، اتنی ہی جلد بدعنوان دنیا تباہ کردی جائے گی اور ایک نئے زمین اور آسمان ظہور میں آ جائیں گے، جس کی پیشن گوئی مقدس کتاب میں سینٹ جان، نجومیوں اور بہت سے دوسرے پیغمبروں نے کی تھی۔

زمینی بادشاہت کے حامی انتہا پسند تاریخ کو ایک دھکا دینا چاہتے ہیں اور ایک ایسی دنیا کے معرض وجود میں آنے میں مددگار بننا چاہتے ہیں، جو عالمی جنگوں، قحط، وباؤں اور دیگر آفات سے پاک ہو اور وہ موجودہ دنیا کی جگہ لے سکے۔ اس بنا پر یہ ممکن ہے کہ بعض عیسائی اور یہودی فرقوں کے ممبران، جو حق و باطل کے درمیان آخری معرکے میں یقین رکھتے ہیں یا مسلمان اور بدھ، جو اس سے ملتے جلتے انتہا پسندانہ نظریات رکھتے ہیں، روز قیامت کا منظر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اسرائیلی انتہا پسندوں کا ایک چھوٹا سا گروہ اس بات میں پختہ یقین رکھتا ہے کہ بیت المقدس کو اڑا دینے سے فیصلہ کن مذہبی جنگ چھڑ جائے گی اور خدا کی بادشاہت کے آنے سے نجات کا آغاز ہو جائے گا۔

ان نظریات کے حامل افراد کی تعداد لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ہے۔ ان کے اپنے ذیلی کلچر ہیں۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں کیسٹیں اور کتابیں تیار کرتے ہیں۔ وہ معابد اور آبادیاں کھڑی کرتے ہیں، جن کے وجود سے ان کے بیشتر معاصرین ناواقف ہیں اور ان کے پاس ٹھوس مالی وسائل ہیں۔

اس وقت کئی دہشت گرد اور امکانی دہشت گرد گروپوں اور فرقوں کی صورت حال پریشان کن ہے۔ اب تک دہشت گردی کے مرتکبین کا تعلق قوم پرستوں، انتشار پسندوں اور بائیں اور دائیں بازو کے انتہا پسندوں سے رہا ہے۔ لیکن نیا دور پرانے دہشت گردوں کے ساتھ اپنے ساتھ تشدد استعمال کرنے والے نئے گروپوں کو آگے لایا ہے۔ ماضی میں دہشت گردی ہمیشہ جنگجو گروپوں کا کام تھا، جنہیں ۱۹۰۰ء کے دور کی آئرش اور روسی سماجی انقلابی تحریکوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ مستقبل میں دہشت گرد افراد ہوں گے، یا ہم خیال لوگ جو بہت چھوٹے چھوٹے گروپوں میں سرگرم عمل ہوں گے۔ جیسے ۱۹۹۵ء میں امریکہ کے شہر اوکلاہاما کی وفاقی عمارت میں بم پھٹنے کا واقعہ تھا۔ کوئی فرد دہشت گردی کے لیے ہتھیاروں کی چوری، خریداری یا تیاری کی تکنیک کا ماہر ہو سکتا ہے اور وہ ٹارگٹ پر ہتھیار پہنچانے کے لیے ایک دو افراد کا ضرورت مند ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ ایسے افراد یا چھوٹے گروپوں کے نظریات بڑے گروپوں کے مقابلے میں زیادہ کجرو ہو سکتے ہیں اور اکیلے یا چھوٹے گروپوں کی صورت میں کام کرنے والے ان دہشت گردوں کا کھوج لگانا تب تک مشکل ہے، جب تک کہ وہ کوئی بڑی غلطی نہ کریں یا اتفاق سے دریافت نہ ہو جائیں۔

جارحیت کی جنگ اب بہت مہنگی اور خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف تنہا دہشت گرد رونما ہو رہے ہیں اور دوسری طرف ریاست کی پشت پناہی سے چلنے والی دہشت گردی پھل پھول رہی ہے۔ جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسے صدی ختم ہونے کے قریب پہنچ رہی ہے، دہشت گردی ۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی کی بڑی جنگوں کی جگہ لے رہی ہے۔ اب معاشرہ ایک نئی قسم کی دہشت گردی کی زد میں ہے۔ اس سے پہلے کے دہشت گرد بادشاہوں یا بڑے افسروں کو نشانہ بناتے تھے، جبکہ نئے دور کے دہشت گردوں کا نشانہ الیکٹرانک کے وہ مراکز ہوں گے، جن پر کسی ملک کی پولیس، دفاع، تجارت، بنکنگ، ٹرانسپورٹ، سائنسی تحقیق اور اطلاعات کے سٹوریج اور ان کی ترسیل کا انحصار ہوگا۔ ایک گمنام امریکی خفیہ سروس کے ایک افسر کا دعویٰ تھا کہ وہ ایک ملین ڈالر اور ۲۰ اجرتی افراد کے ساتھ امریکہ کو جام کر سکتا ہے۔ یاد رہے امریکہ کے بعض نوجوان طلبا نے اپنی تکنیکی مہارت سے امریکی رازوں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔

اب دہشت گردوں کو کسی سیاستدان یا اندھا دھند لوگوں کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ الیکٹرانک کے کسی مرکز کو تباہ کر کے کہیں زیادہ ڈرامائی اور دیرپا نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ نئی حقیقتوں کے پیش نظر نئے معانی اور نئی اصطلاحات متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ خفیہ اداروں اور پالیسی سازوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دہشت گردوں کے محرکات، اپروچ اور مقاصد کے درمیان اہم فرق کو پہنچاننا سیکھیں۔ بالفرض سو میں سے دہشت گردی کی ۹۹ وارداتیں ناکام بھی ہوتی ہیں، لیکن ایک کامیاب واردات جس کا دنیا کو اب تک تجربہ نہیں ہوا، ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ لوگوں کو قتل کر سکتی ہے، زیادہ مالی نقصان پہنچا سکتی ہے اور کہیں زیادہ خوف و ہراس پھیلا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com